مادّہ قدیم ہے یا حادث

(۲)

پروفیسر سید کاظم نقوی

ترکّب

مادہ جہاں بھی ہو اور جیسا بھی ہو وہ بہر حال مرکّب ہوتا ہے۔ کسی چیز کا مرکّب ہونا اس کی دلیل ہے کہ وہ عدم سے وجود میں آیا ہے، کیونکہ ہر چیز کے اجزا اس سے بیگانہ ہوا کرتے ہیں۔ اجزا اور ان کے مجموعے کے درمیان غیریت ہوا کرتی ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ مجموعہ کا وجود اجزا کے وجود پر موقوف ہوتا ہے۔ تخت اسی وقت وجود میں آسکتا ہے جب لکڑی کے پٹرے ہوں، پائے ہوں، کیلیں ہوں، پٹروں کو کیلوں کے ذریعہ خاص طرح سے پایوں پر رکھ کر جڑ دیا جائے۔ ہر کُل، ہر مرکّب، ہر مجموعہ اپنے وجود میں اجزا کا محتاج ہوا کرتا ہے۔ جو چیز اپنے وجود کے لیے غیر کی محتاج ہو وہ ممکن ہوگی۔ جب ممکن ہوگی تو اس کے لیے وجود اور عدم دونوں یکساں حیثیت رکھیں گے، نہ وجود کو ترجیح ہوگی اور نہ عدم کو، وجود اور عدم کے دونوں پلّے برابر ہوں گے۔ کوئی بیرونی طاقت ہونا چاہیے جو اس کو عدم کے بعد وجود عطا کرے، کیونکہ ذاتی طور پر جب نہ وجود کو ترجیح حاصل ہے اور نہ عدم کو تو خود بخود دونوں میں سے کسی کا پلّہ نہیں جھک سکتا۔ کوئی باہری طاقت ہونا ضروری ہے جو اس کے وجود کے پلّے کو جھکائے۔ بہر حال یہ بیرونی طاقت ہے۔ اسے عدم سے وجود میں لائے گی۔ جو چیز عدم سے وجود میں آئے وہ حادث ہوتی ہے۔

خیال کیا جا سکتا ہے کہ یہ صحیح کہ ایٹم کئی جزوں سے مل کر بنا ہے، الیکٹران، نیوٹران، پوزیٹرن اور پروٹون ایٹم کے مختلف اجزا ہیں، لیکن یہ خود مرکب نہیں ہیں۔ بے شک جب یہ ایک دوسرے کے نزدیک آئے اور آپس میں گلے ملے تو ایٹم عدم سے وجود میں آیا جو ان اجزا کا مجموعہ ہے، لیکن یہ اجزا چونکہ اس طرح کے ہیں کہ ان کا کوئی جز نہیں ہے جو ان سے بیگانہ

ہواور وہ اپنے وجود کے سلسلے میں اس کے محتاج ہوں، اس لیے یہ ہمیشہ سے ہیں۔

مذکورہ بالا خیال دو وجہوں سے صحیح نہیں معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ دستیاب نہ ہونا نہ ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

مانا کہ سائنس داں اپنے موجود آلات کی مدد سے ایٹم جن چیزوں سے مرکب ہے ان کا تجزیہ نہیں کر سکے ہیں، لیکن اس وقت کسی چیز کا تجزیہ نہ ہونا یا نہ ہو سکنا اس کی دلیل نہیں ہے کہ آیندہ زیادہ ترقی یافتہ آلات کی مدد سے بھی اس کا تجزیہ نہیں ہو سکے گا۔ اس زمانے میں کسی چیز کے اجزاء کا نہ پایا جانا ہرگز یہ نہیں بتاتا کہ واقعی اس کے اجزاء نہیں ہیں۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ صدیوں انسان عناصر اربعہ، یعنی آگ، پانی، مٹی اور ہوا کو غیر مرکب سمجھتا رہا؟ اس کا عقیدہ تھا کہ ان کے اجزاء نہیں ہیں، تمام دوسرے موجودات انھی سے مرکب ہیں، لیکن یہ خود چند چیزوں سے مل کر نہیں بنے ہیں بعد میں آنے والے زمانے کے ہاتھوں نے ان کے علاوہ دوسرے عناصر کے چہرے سے نقاب سرکائی اور اُن کی تعداد کو سو سے بھی آگے بڑھا دیا۔ ہر شخص سنجیدگی سے غور کرے کہ آخر اس کی کیا ضمانت ہے کہ ایٹم کے موجودہ اجزا جنھیں اس وقت کی محدود تحقیقات کی روشنی میں غیر مرکب سمجھا جا رہا ہے وہ واقعی غیر مرکب ہوں؟ بہت ممکن ہے کہ الیکٹران، نیوٹران، پوزیٹرون اور پروٹون کے اجزاء موجود ہوں، لیکن سائنس دانوں کے موجودہ آلات ان کا پتہ نہ چلا سکے ہوں۔ بے شمار حقیقتوں کے کروڑہا برس پردۂ غیب میں رہنے کے بعد ہمیں ان کی خبر ہوئی ہے۔ ایسی صورت میں کسی چیز کے زمانۂ حال میں دستیاب نہ ہونے سے ہرگز یہ نہیں سمجھا جا سکتا کہ وہ نہیں ہے۔

۲۔ جو چیز ہمیشہ سے ہو وہ کسی کا جز نہیں ہو سکتی۔

الیکٹران، نیوٹران، پوزیٹرون اور پروٹون کا حادث نہ ہونا، ہمیشہ سے ہونا یہ بتاتا ہے کہ ان کے لیے وجود ضروری ہے، کیونکہ ان کے کبھی معدوم نہ ہونے سے پتہ چلتا ہے کہ وجود ان کی ذات کا خاصہ ہے۔ وہ اپنے وجود کا سرچشمہ ہیں۔ جو چیز اس طرح کی ہو وہ کسی کل کا جز نہیں ہو سکتی کہ دوسرے اجزاء کے ساتھ مل جل کر اس کا دخل کل کے وجود میں ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر جز کل کو وجود میں لانے کے سلسلے میں دوسرے اجزاء کے ہاتھ بٹانے کا محتاج ہوتا ہے۔ یہ ہماری آنکھوں کے سامنے جو دیوار کھڑی ہے، اس کے اجزاء گِٹّے اور اینٹیں ہیں اور خاص قسم کا مصالحہ ہے۔ اگر یہ نہ ہوتے تو ہر گز بڑے سے بڑا کاریگر اپنے صرف ہاتھ پیروں کے

بل بوتے پر دیوار نہیں بنا سکتا تھا۔ ان میں سے ہر گّے اور اس کے مسالے کا اس دیوار کے موجود بنانے میں دخل ہے جس سے وہ جڑا ہوا ہے، لیکن ان ہزاروں گمّوں میں سے کوئی گمّہ اکیلا اس دیوار کو وجود میں نہیں لاسکتا، وہ دوسروں کے تعاون کا محتاج ہے۔

اگر وہ چیز کہ جو ازلی ہے اور جس کے لیے وجود ضروری ہے کسی کُل کا ایک جز ہو تو وہ اس عام اصول سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتی، اس کے لیے بھی یہ ماننا پڑے گا کہ اُسے کُل کے موجود بنانے کے سلسلے میں دوسرے اجزا کے تعاون کی ضرورت ہے۔ ظاہر ہے کہ دوسرے اجزا اور اس کے درمیان غیریت اور بیگانگی ہے۔ اس کا نتیجہ واضح ہے کہ جس چیز کے لیے وجود کو ضروری فرض کیا گیا ہے، وہ اپنے غیر کی محتاج قرار پا جائے گی، جبکہ ایسی شی کسی کی محتاج نہیں ہو سکتی ہے۔

دوسری لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ واجب الوجود چونکہ نرا وجود ہی وجود ہے، اس لیے اس میں کوئی خلا اور کسی قسم کا نقص نہیں ہو سکتا، اس میں عدم کا کوئی شائبہ ہونا غیر ممکن ہے۔ جب کسی چیز کے بہت سے اجزا ہوں جن سے مل کر وہ وجود میں آئے تو اُن میں سے ہر جز میں یہ کمی ہوتی ہے کہ وہ تنِ تنہا کُل کو وجود میں نہیں لاسکتا، اُس میں یہ نقص ہوتا ہے کہ وہ دوسرے اجزا کے ہاتھ بٹانے کا محتاج ہوا کرتا ہے۔

معلوم ہوا کہ اگر الیکٹران، نیوٹران، پوزیٹرون اور پروٹون ہمیشہ سے ہوں تو ان کے واسطے وجود ضروری ہوگا۔ ایسی صورت میں وہ ہرگز ایٹم کا جز نہیں ہو سکتے تھے، حالانکہ ان کا جز ہونا مانی ہوئی بات ہے۔

اس نظریہ کا فیصلہ کن جائزہ

کیا واقعی مختصر سے مختصر اور چھوٹے سے چھوٹا کوئی مادّہ ایسا ہو سکتا ہے جو مرکب نہ ہو۔ مادہ پرست مفکرین اسے صرف ممکن ہی نہیں سمجھتے ہیں، بلکہ اس کی مثال میں ایٹم کے اجزا کو پیش کرتے ہیں، لیکن ہمارا جواب مادیین کے جواب کے بالکل برعکس ہے۔ ہمارے نزدیک اگر کوئی مادّہ مرکب نہ ہو تو وہ مادہ نہیں ہے۔ بغیر مرکب ہوئے مادّہ موجود نہیں ہو سکتا۔ مادّے کی حقیقت کیا ہے؟ وزن، لمبائی، چوڑائی اور موٹائی جن کا نتیجہ ہے اجزا کا ہونا اور ان سے مرکب قرار پانا۔ ظاہر ہے کہ جب کسی چیز میں لمبائی ہے تو وہ لمبائی میں تقسیم ہو سکے گی، جب چوڑائی ہے تو چوڑائی میں اس کو

تقسیم کیا جا سکے گا۔ اگر لمبائی میں کم از کم دو حصوں پر تقسیم کر دیا جائے گا تو لمبائی میں دو جز نکل آئیں گے، اگر چوڑائی میں کم سے کم دو حصوں پر تقسیم کر دیا جائے گا تو چوڑائی میں مزید دو جز نکل آئیں گے۔ ایسا ہی مٹائی میں تقسیم کرنے کی شکل میں ہوگا۔ ہر چھوٹے سے چھوٹے مادے کے کم از کم چھ جز تو بغیر کسی غور و خوض کے سمجھ میں آتے ہیں۔

مادّہ پرستوں کی طرف سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ جو کچھ خدا پرست طبقہ نے کہا ہے اس کا کھلا ہوا نتیجہ یہ ہے کہ ہر مادّہ غیر محدود اجزاء سے مرکب ہے، حالانکہ ہم محسوس کرتے ہیں کہ وہ اس لحاظ سے محدود ہے۔

مختصر اور مجمل جواب یہ ہے کہ عقلی طور پر مادے کے غیر محدود اجزا فرض کر سکنا اور زمانۂ حال میں ہر مادّے میں غیر محدود اجزاء کا پایا جانا دو الگ الگ باتیں ہیں۔ ارباب علم و عقل کو دھوکا نہ کھانا چاہیے۔

تفصیلی جواب کے لیے عدم انقسام کی مندرجۂ ذیل صورتوں کی طرف توجہ فرمائیے۔

۱۔ عقلی عدمِ انقسام

اس مادّی دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس کا عقلی طور پر تجزیہ نہ ہو سکے، کیونکہ کوئی مادّہ ایسا نہیں ہے جس میں لمبائی، چوڑائی اور مٹائی تینوں یا کم از کم لمبائی اور چوڑائی نہ پائی جائے۔ ظاہر ہے کہ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر مادّے میں عقلاً غیر محدود اجزاء فرض کیے جا سکتے ہیں۔ یہ بات مادّے کے بیرونی دنیا میں محدود ہونے سے نہیں ٹکراتی۔ جو چیز زمانۂ حال میں محدود ہو اس کا غیر محدود ہونا غیر ممکن ہے، لیکن جو چیز زمانۂ حال میں نہ ہو، صرف از روئے عقل ہو سکتی ہو وہ غیر محدود فرض کی جا سکتی ہے۔ ہم صرف اتنا کہنا چاہتے ہیں کہ عقل میں یہ طاقت موجود ہے کہ وہ کسی بھی مادّی جز کے اجزاء کا تصور کرے، پھر ان اجزاء میں سے ہر ایک جز کے اجزاء کا تصور کرے، ان تصورات میں عقل کہیں پر ٹھہرے گی نہیں۔ اس کے باوجود عقل اور احساس دونوں کا فیصلہ ہے کہ بیرونی دنیا میں جو مادّہ زمانۂ حال میں موجود ہے وہ یقیناً محدود ہے۔

۲۔ بیرونی عدمِ انقسام

بیرونی دنیا میں محدود ذرائع کا مالک انسان اگر کسی چیز کا تجزیہ کرے گا تو یقیناً وہ ایک

منزل پر آکے رک جائے گا، کیونکہ خدا کے علاوہ ہر ایک کا اقتدار محدود ہے، لیکن اس کے کسی حد پر آکے رک جانے کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ آخری تجزیہ ہے، ان پیدا شدہ اجزار کو تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ اس سے صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ انسان کا اقتدار محدود ہے۔ وہ تجزیہ نہیں کر سکتا، نہ یہ کہ اب تجزیہ نہیں ہو سکتا۔ بے شک یہ حاصل شدہ جز غیر منقسم ہے لیکن انسان کی محدود قوت کے لحاظ سے۔ اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اُس جز کے حقیقت میں اجزار موجود نہیں ہیں، لیکن اسی بیرونی دنیا میں اگر غیر محدود اقتدار کا مالک خدا کسی جز کا تجزیہ کرے تو اگرچہ وہ بھی ایک حد پر آکے رک سکتا ہے، لیکن یہ رکنا خدا کی مجبوری اور اس کے نقص کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ اس کا موجب یہ ہے کہ پیدا شدہ جز مادّے کے اجزار کی آخری حد ہیں، ان کے علاوہ ان کے بعد حقیقت میں اس کے اجزار ہی نہیں ہیں۔ اس جز کے عدمِ انقسام کا باعث یہ ہے کہ اس کے اجزار خدا نے خلق ہی نہیں کیے ہیں۔ اب اگر وہ غیر محدود اقتدار کا مالک خدا اس جز کا تجزیہ کرنا چاہے گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ انھیں فنا کرنا چاہتا ہے۔

خدا اگر کسی مادے کو بیرونی دنیا میں تقسیم کرے گا تو اس کا تجزیہ ہوتا رہے گا، ہاں اس منزل پر آکے یہ قدرتی عمل رک جائے گا جب کوئی ایسا جز سامنے آئے جو حقیقت میں بس دو چیزوں سے مرکب ہو تاکہ اسے مادّہ کہا جا سکے، اس لیے کہ جو جز سرے سے مرکب ہی نہ ہو اس کو نہ مادہ کہا جا سکتا ہے اور نہ مادی، کیونکہ وہ مادے کی حد اور اس کے معیار سے خارج ہے۔

ان مادّی اجزار کے درمیان، جو جز درحقیقت غیر منقسم ہے وہ یہی جز ہے، جو دو جزوں سے مرکب ہے۔ اس کے منقسم ہونے کے معنی اس کے دونوں جزوں کو ایک دوسرے سے علٰحدہ کر لینا ہے۔ اس کا نتیجہ ہے مرکب کا نیست و نابود ہو جانا، کیونکہ اس چیز کے ان جزوں کے علاوہ دوسرے اجزار نہیں ہیں۔ انہی دو جزوں کا باہم گھلنا ملنا اس مادّے کے وجود اور اس کی زندگی کا محافظ ہے سب سے پہلا مادّہ جو عدم سے وجود میں آیا وہ یہی جز ہے جو دو جزوں سے مرکب ہے، مادّی موجودات کی عمارت کی پہلی اینٹ یہی دو جزوں کا مالک مادّہ ہے اور اس کا اختتام بھی ایسے ہی جز پر ہوگا۔ بے شک اس آغاز و انجام کے درمیان اجزار کی تعداد، ان کی ترکیبیں اور صورتیں ادلتی بدلتی رہی ہیں۔

بہر حال کسی چیز کے اجزاء کی کوئی آخری وجودی حد ہونا ضروری ہے۔ اس کے تجزیے اور انقسام کو ایسی منزل تک پہنچنا چاہیے کہ اب اگر تجزیہ کیا جائے تو وہ اس کی فنا پر منتہی ہو، مادے کا پیچھا دونوں چیزوں سے ساتھ ساتھ چھوٹے، وہ مرکب بھی نہ رہے اور موجود بھی نہ رہے۔ ایسا نہ ہو کہ تجزیے کے بعد وہ ایسے مادّے کی شکل میں باقی رہے جو مرکب نہ ہو۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز مادّہ ہوتے ہوئے غیر مادّہ ہو؟ یعنی وہ ایک ہی وقت میں موجود اور معدوم ہو، کیونکہ کوئی شئی مادّہ ہوتے ہوئے غیر مرکب نہیں ہو سکتی۔

یہ دو جز وہ ہیں جن سے مادّے کی ابتدا بھی ہوتی ہے اور انہی پر ان کا خاتمہ بھی ہوتا ہے۔ مادی وجود کا آغاز اس طرح ہوا کہ یہ دونوں جز ساتھ ساتھ وجود میں لائے گئے۔ اس مادّی وجود کا خاتمہ یوں ہوگا کہ آخر میں دونوں ساتھ ساتھ معدوم ہو جائیں گے۔ یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ انھیں ایک دوسرے سے الگ کر دیا جائے اور اس کے باوجود ان میں ہر ایک اپنے ساتھی سے جدا ہو کر باقی رہے ایسی صورت میں ان کے نہ مادی موجود بن کے باقی رہنے کا امکان ہے اور نہ غیر مادی موجود بن کر باقی رہنے کا امکان۔

زمانہ

انسان نہ جانے کتنے الفاظ بولتا ہے جن کے کچھ نہ کچھ معنی بھی اس کے دماغ میں ہوتے ہیں، لیکن ان کی اس طرح وضاحت نہیں کر سکتا کہ دوسروں کو سمجھا سکے۔ انہی لفظوں میں سے زمان و مکان کے الفاظ بھی ہیں۔ یہ نقص صرف عوام میں نہیں، بلکہ خواص میں، علماء اور فلاسفہ میں بھی پایا جاتا ہے۔

اس بارے میں کوئی شک نہیں ہے کہ سچ مچ ایک چیز ہے جس میں رہتے ہوئے خود ہمارے اندر اور ہمارے علاوہ دوسرے موجودات میں رنگ برنگ کی تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ کبھی ہم بیمار ہوتے، کبھی ٹھیک ہو جاتے، کبھی دبلے ہوتے، کبھی موٹے ہو جاتے، کبھی غیر شادی شدہ ہوتے، کبھی بال بچوں والے ہو جاتے، کبھی جاہل، ان پڑھ ہوتے، کبھی بہت بڑے عالم بن جاتے، کبھی غریب ہوتے اور کبھی مالدار ہو جاتے ہیں۔

کوئی چیز ہے اور ضرور ہے جسے نظر میں رکھتے ہوئے ہم اور آپ کہتے ہیں کہ فلاں واقعہ پہلے پیش آیا اور فلاں واقعہ اس کے بعد، مثلاً حضرت عیسیٰؑ خلق خدا کی ہدایت کے لیے پہلے آئے اور پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے بعد۔ جناب نوحؑ پہلے کئی سو برس تک اپنی قوم کو ہدایت کرتے رہے۔ جب اس نے ان کی بات نہ سنی تو اس کے بعد طوفان

آیا جس نے انھیں ڈبو کر ہلاک کر ڈالا۔

یہی چیز جس میں یہ سب کچھ ہوا کرتا ہے زمانے کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ اس کے وجود کا علم کسی غور و خوض کا محتاج نہیں ہے۔ بھولے بھالے اشخاص بھی اس حقیقت کو جانتے ہیں۔ کون ہے جو عمر، سال، مہینے، رات، دن، گھنٹے، منٹ اور سیکنڈ سے واقف نہ ہو۔ ان الفاظ کے معنی تقریباً ہر شخص کے دماغ میں موجود ہیں، چاہے وہ انھیں الفاظ کے ذریعہ ادا نہ کر سکے۔ اس حقیقت کے نہ ماننے والے کو دلیل قائم کر کے مطمئن نہ بنا سکے۔

اچھا قبل اس کے کہ یہ عرض کیا جائے کہ زمانہ کیا ہے جس کے معنی مبہم طور پر ہر شخص کے دماغ میں موجود ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کچھ الفاظ یا اصطلاحات کا مطلب واضح کر دیا جائے

"کم" اور "کم متصل"؟

جو چیز کسی دوسری شی کے طفیل اور تصدق میں نہیں، بلکہ ذاتی طور پر خود منقسم ہونے کی صلاحیت رکھتی ہو اس کو "کم" کہتے ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں، "کم متصل" اور "کم منفصل"۔ فلاسفہ کی اصطلاح میں اسی "کم متصل" کو "مقدار" بھی کہتے ہیں۔

"کم متصل" وہ ہے کہ جس میں "حدّ مشترک" ہو۔ اس کی عام فہم مثال لکیر ہے۔ کسی بھی لکیر میں ذاتی طور سے اس کی صلاحیت ہے کہ اس کے دو یا اس سے زیادہ ٹکڑے کر دیے جائیں۔

یہاں پر خود بخود یہ سوال ابھر کر سامنے آتا ہے کہ "حدّ مشترک" کیا ہے؟

"حدّ مشترک" یہ ہے کہ جب کسی "مقدار" کو مختلف حصوں پر تقسیم کریں تو ہر حصے کی بابت کہہ سکیں کہ وہ یہاں سے شروع ہوا ہے یا یہاں پر ختم ہوا ہے۔ دوسری لفظوں میں یوں کہا جائے کہ جس چیز میں ہر حصے کی ابتدا اور انتہا دونوں بننے کی صلاحیت ہو اسے "حدّ مشترک" کہتے ہیں، مثلاً کاغذ کے صفحے پر بٹری رکھیے، ریزر سے کاغذ کو کاٹیے۔ ظاہر ہے کہ صفحۂ کاغذ پر ریزر ایک لکیر بنا کر اسے دو ٹکڑوں پر تقسیم کر دے گا۔ یہ لکیر ہر ٹکڑے کی ابتدا بھی قرار دی جا سکتی ہے اور انتہا بھی۔ ہاں جب دونوں ٹکڑے الگ الگ ہو جائیں گے تب یہ بات نہیں رہے گی۔ لکڑی کے کسی کندے کو دو ٹکڑے کرنے کے لیے آرے سے اس پر نشان لگائیے۔ کیا اس نشان میں یہ خصوصیت نہیں ہے کہ وہ ہر ٹکڑے کی ابتدا اور انتہا دونوں قرار دیا جا سکتا ہے؟ "حدّ مشترک" اسی کا نام ہے۔

"کم متصل" کے مقابل "کم منفصل" ہے۔ اس کے اجزاء اور ٹکڑوں کے درمیان "حدِ مشترک" نہیں ہوتا ہے۔ اس کی مثال میں عدد کو پیش کیا جاتا ہے، مثلاً سات کو دو حصوں پر تقسیم کیجیے، چار اور تین، کیا چار اور تین کے درمیان کوئی ایسی چیز ہے جس کو ہر ایک کی ابتدا، اور انتہا فرض کیا جاسکے؟ "کم متصل" کی دو قسمیں ہیں "قار" اور "غیر قار"

"قار" ایک اصطلاحی لفظ ہے۔ یہ اس مقدار کا نام ہے جس کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کے جو اجزاء اور حصے فرض کیے جائیں ان میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ اکٹھا طور پر وجود میں آسکیں۔ اس کی مثال میں لکیر، سطح اور جسم کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ یوں تو ہمارے جسم کے تمام اجزاء ایک دوسرے سے مربوط اور جڑے ہوئے ہیں، لیکن اگر اسے ٹکڑے ٹکڑے اور ریزہ ریزہ فرض کیا جائے تو انھیں بیک وقت موجود ہونے سے انکار نہیں ہے۔

اس کے مقابلے میں "غیر قار" اس مقدار کا نام ہے جس کے اجزاء اور ٹکڑے اگر فرض کیے جائیں تو وہ سب کے سب اکٹھا موجود نہ ہوسکیں، بلکہ اگر ایک جزء وجود میں آئے تو دوسرا نہ ہو، جب دوسرا وجود میں آئے تو پہلا گزر چکا ہو اور تیسرا ابھی نمودار نہ ہوا ہو۔ اس کی مثال میں صرف زمانے کو پیش کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اہلِ فن کو اس کی دوسری مثال دستیاب نہیں ہوئی ہے۔

اہلِ فلسفہ نے زمانے کی حقیقت کو مندرجۂ ذیل الفاظ کی مدد سے سمجھانا چاہا ہے۔

الزمان هو كم متّصل غير قارّ مقدار للحركة

"زمانہ ایسے کم متصل کو کہتے ہیں جو غیر قار اور حرکت کی مقدار ہو"

زمانہ حرکت کی مقدار کیونکر ہے؟

زمانہ کا لفظ برابر ہماری زبانوں پر آتا رہتا ہے۔ یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ وہ کیا چیز ہے؟ فرض کیجیے کہ کئی طرح کی حرکتیں ایک ساتھ شروع ہوئیں۔ ایک ہی نقطے سے گھوڑا پوری طاقت سے دوڑا، وہیں سے ایک پھرتیلا، جیالا نوجوان دوڑا، اسی جگہ سے کسی زندہ دل شخص نے کار کو دوڑا دیا۔ ظاہر ہے کہ ان تمام چیزوں کی رفتار یکساں نہیں ہے۔ کار بہت تیز رفتار، گھوڑا اس سے کم رفتار اور آدمی سب سے کم رفتار ہے۔ یہ ریس ایک ساتھ شروع ہوئی اور ایک ساتھ تمام ہوگئی۔ تینوں ایک ساتھ چلے اور ایک ساتھ رک گئے۔ ان کے چلنے اور رکنے کے درمیان ایک گنجائش ہے جس میں سب سے سست رفتار، یعنی آدمی بہت مختصر مسافت طے کرتا، اس سے تیز رفتار گھوڑا

اس کے بہ نسبت زیادہ مسافت طے کرتا۔ سب سے تیز رو موٹر کار اس سے بھی زیادہ مسافت طے کرتی ہے۔

اس گنجائش میں ایسا نہیں ہو سکتا کہ آدمی گھوڑے یا کار کی مسافت طے کر لے۔ نہ عام طور پر کسی گھوڑے میں یہ دم خم ہوتا ہے کہ کار کی مسافت طے کر سکے۔ ہاں اس گنجائش کا کیا ذکر اس سے کم گنجائش میں کار اور گھوڑا آدمی کی طے کردہ مسافت کو طے کر سکتا ہے، کیونکہ وہ زیادہ پرزور اور طاقتور ہیں۔

سوال یہ ہے کہ یہاں کئی چیزیں ہیں اور ان میں سے کون ایسی شئی ہے جسے 'گنجائش' کہنا اور سمجھنا صحیح ہو؟ یہاں تین قسم کی حرکتیں ہیں۔ کیا خود یہ حرکتیں 'گنجائش' ہیں؟ یہ حرکتیں تو اس میں سما کر وجود میں آئی ہیں۔ یہاں تیز رفتاری اور سست روی ہے۔ ان میں سے کسی کو 'گنجائش' کہنا صحیح ہے؟ ہرگز نہیں۔ یہ تو حرکتوں کی صفتیں ہیں۔ ان کا گنجائش سے کیا تعلق؟ یہاں ایک مسافت بھی ہے جس کو گھوڑے، آدمی اور کار نے طے کیا ہے۔ کہیں یہی مسافت تو گنجائش نہیں ہے؟ غور فرمائیے! ایسا نہیں ہے، کیونکہ ان تین قسم کی حرکتوں کی ابتدا اور انتہا کے درمیان وہ گنجائش ایک ہے۔ اس میں کثرت اور اختلاف نہیں ہے، لیکن یہ مسافتیں متعدد اور مختلف ہیں۔ جو مسافت کار نے طے کی ہے وہ سب سے زیادہ ہے، جو گھوڑے نے طے کی ہے وہ اس سے کم ہے، جو آدمی نے طے کی ہے وہ سب سے کم ہے۔ تین حرکتیں اور تین مختلف مسافتیں ہیں، لیکن گنجائش ایک عدد ہے اور اس کے ساتھ یکساں ہے۔ ایک ڈال ہے۔ یہاں آخری چیز متحرک ہے۔ بدقسمتی سے یہ بھی متعدد اور مختلف چیزیں ہیں، گھوڑا، آدمی اور کار۔ گنجائش ایک عدد اور متحرک کئی عدد۔

ماننا پڑے گا کہ وہ گنجائش تمام مذکورہ چیزوں کے علاوہ ہے، کیونکہ وہ ایک ہے، یہ متعدد، وہ یکساں ہے، یہ مختلف اور رنگ برنگ۔

تھوڑا سا باریک بینی سے کام لیجئے۔ اس گنجائش میں ذاتی طور پر منقسم ہونے کی صلاحیت ہے یا نہیں؟ کیوں نہیں، یہ گنجائش یقیناً منقسم ہو سکتی ہے۔ اس گنجائش کے آدھے حصے میں ان حرکتوں کا آدھا وجود میں آسکتا ہے۔ اس کے ایک تہائی میں ان کا ایک تہائی۔ اس کے چوتھائی ٹکڑے میں ان کا ایک چوتھائی۔ اسی طرح تینوں مسافتوں کے مختلف ٹکڑوں کو اس گنجائش کے مختلف سائز کے ٹکڑوں میں طے کیا جا سکتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اس گنجائش میں ذاتی

طور پر منقسم ہونے کی صلاحیت موجود ہے، اس لیے اس کو "کم" کہنا جھوٹ نہیں ہے۔

یہ بھی جائزہ لیجیے کہ جب اس گنجائش کے ٹکڑے فرض کیے جائیں تو ان کے درمیان "حدِ مشترک" ہوتی ہے یا نہیں؟ ہر ٹکڑے کی کوئی ایک ایسی حد ہوتی ہے جسے ہر ایک کی ابتدا بھی قرار دیا جا سکے اور ہر ایک کی انتہا بھی؟ ہاں حسنِ اتفاق سے وہ گنجائش "حدِ مشترک" کی بھی مالک ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ عدد تھوڑی ہی ہے جس میں "حدِ مشترک" نہیں ہوتی۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اُس گنجائش کے اجزا، اس طرح کے ہیں کہ اگر انھیں فرض کیا جائے تو وہ اکٹھا طور سے موجود ہو سکیں یا اس کے برعکس وہ اس قسم کے ہیں کہ وہ اکٹھا وجود میں نہیں آسکتے، یکے بعد دیگرے موجود ہوں گے۔ یہی دوسری صورت نظر آتی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ گنجائش "قار" نہیں "غیر قار" ہے۔

ان تمام سوالوں کا جواب دینے اور اس گنجائش کے تمام خصوصیات کا پتہ چل جانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگر اس کی تعبیر ان الفاظ سے کی جائے تو غلط نہیں ہے:

هو کمّ متصل غیر قارّ

وہ مخصوص گنجائش "کم" ہے، "کم" بھی "منفصل" نہیں، بلکہ "متصل"۔ "قار" نہیں جو اس "مقدار" کا نام ہے جس کے مفروضہ اجزا سب کے سب ایک ساتھ موجود ہو سکیں، بلکہ "غیر قار" ہے، کیونکہ اس کے جو ٹکڑے فرض کیے جاتے ہیں اُن میں یہ خصوصیت ہے کہ وہ یکے بعد دیگرے وجود میں آتے ہیں۔

اب سب سے اہم سوال یہ ہے کہ یہ خاص طرح کی گنجائش کی جو "مقدار" ہے، یہ آخر کس چیز کی مقدار ہے۔ مقصود یہ ہے کہ وہ کون سی چیز ہے جس میں ہو کر یہ پائی جاتی ہے۔

اس کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں:

(۱) یہ ایسی چیز کی مقدار ہو جو ذاتی طور پر "قار" ہے، یعنی وہ ایسی شی ہے کہ اگر اس کے اجزا اور ٹکڑے فرض کیے جائیں تو وہ سب کے سب اکٹھا طور پر موجود ہو سکیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا، ورنہ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک ہی چیز ایک ہی وقت میں موجود بھی ہو اور اسی کے ساتھ معدوم بھی ہو، کیونکہ ایک طرف اس شی کو "قار" فرض کیا گیا ہے، جس کی "مقدار" مخصوص گنجائش قرار دی گئی ہے اور دوسری طرف خود یہ گنجائش "غیر قار" ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی شی "قار" بھی ہو اور "قار" نہ بھی ہو؟ دوسری لفظوں میں یوں کہا جائے کہ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ کسی شی

کے اجزاء اس طرح کے بھی ہوں کہ وہ اکٹھا طور پر وجود میں آسکیں اور اسی کے ساتھ وہ اس طرح کے بھی ہوں جو سب کے سب ایک ساتھ موجود نہ ہوسکیں؟

(ب) دوسری صورت یہ ہے کہ اس خاص گنجائش کو کسی "غیر قار" شی کی "مقدار" قرار دیا جائے۔ یہاں اس قسم کی چیز بس حرکت ہے۔ حرکت بھی اس طرح کی شی ہے کہ متحرک جب ایک جگہ سے گزر لیتا ہے تو دوسری جگہ میں قدم رکھتا ہے۔ حرکت ایسی زنجیر کے مانند ہے جس کی کڑیاں ایک دوسرے سے جڑی ہوئی نہیں ہیں، بلکہ یکے بعد دیگرے ہونے کے باوجود الگ الگ کٹی کٹی ہیں۔

ابھی تک بند بند لفظوں میں بات کہی گئی ہے۔ اب کھل کر کہا جاتا ہے کہ یہی چیز کہ جسے اب تک ہم "گنجائش" کے لفظ سے یاد کرتے رہے ہیں اسی کا نام زمانہ ہے۔ اس کی مزید تھوڑی سی وضاحت کی جارہی ہے۔ جب تیز اور سست دو قسم کی حرکتیں ایک ساتھ شروع اور ایک ساتھ ختم ہوں تو ان کی ابتدار اور انتہار کے درمیان ایک عدد، ایک ڈال گنجائش ہوا کرتی ہے جس میں سست رفتار چیز مختصر مسافت طے کرتی اور تیز روشنی طویل مسافت طے کرتی ہے، مثلاً ایک گھنٹہ میں گھوڑا دس میل، لیکن کار پچیس میل طے کرتی ہے۔

یہ بات کہ زمانہ مقدارِ حرکت کا نام ہے ہمارے روزمرہ کے طریقۂ گفتگو سے بھی معلوم ہوتا ہے، اگرچہ یہ بات بطور دلیل نہیں کہی جارہی ہے، لیکن اس سے فلاسفہ کے تصور کو طاقت ضرور ملتی ہے، مثلاً ڈاکٹر نے اپنے مریض کو ٹہلنے کی ہدایت کی کسی موقع پر جب مریض ہدایات حاصل کرنے کے لیے ان کے پاس آیا تو انھوں نے دریافت کیا کہ آپ صبح کو کتنا ٹہلتے ہیں؟ اُس نے کہا روزانہ دو گھنٹے۔

یہ صحیح ہے کہ جہاں تک بول چال کا تعلق ہے، ایسا بھی نظر آتا ہے کہ جیسے لوگ مسافت کو مقدار حرکت سمجھتے ہیں، مثلاً اسی مذکورۂ بالا مثال میں اگر مریض ڈاکٹر کے سوال کا یوں جواب دے تب بھی لوگ اسے صحیح سمجھیں گے کہ میں روزانہ پانچ میل ٹہلتا ہوں، لیکن اس جواب کا ٹھیک ہونا اس لحاظ سے ہے کہ لوگ الفاظ کے استعمال میں زیادہ باریک بینی سے کام نہیں لیتے ہیں، بال کی کھال نہیں نکالی جاتی ہے، ورنہ غور فرمایئے کہ مسافت ایسی چیزوں میں سے ہے جو "قار" ہیں، یعنی ان کے مفروضہ اجزار میں یہ قابلیت ہے کہ وہ سب کے سب ایک ساتھ موجود ہوں، جبکہ زمانہ "غیر قار" امور میں سے ہے۔ اس کے اجزار یکے بعد دیگرے وجود میں آتے ہیں۔ جو چیز "غیر قار"

ہے وہ کسی ایسی شی کی "مقدار" کیسے ہوسکتی ہے جو ذاتی طور پر "قار" ہو۔ بے شک حرکت "غیر قار" ہے۔ زمانہ اسی کی "مقدار" ہوتا ہے۔ حلول کرنے والی چیز بھی "غیر قار" اور جس میں وہ حلول کیے ہوے ہے وہ بھی "غیر قار"۔

واضح ہونا چاہیے کہ تمام حرکتیں ایک طرح کی نہیں ہیں۔ اسی طرح اُن کی مقدار، یعنی زمانہ بھی ایک طرح کا نہیں ہے۔ حرکتوں کے مختلف ہونے کا لحاظ کرتے ہوے زمانہ کو بھی جو ان کی مقدار ہے مختلف ہوجانا چاہیے۔

سورج کے گرد کرۂ زمین کی حرکت ظاہر ہے کہ خاص طرح کی ہے۔ اس حرکت کی مقدار ہمارے سامنے دن اور رات کی شکل میں ہے۔ سائنسداں کہتے ہیں کہ ایٹم کے اندرونی اجزا بھی حرکت کر رہے ہیں۔ الیکٹران اپنے مرکز نیوکلیس کا طواف کر رہا ہے، لیکن زمین کی حرکت سورج کے گرد اتنی تیز نہیں ہے جتنی الیکٹران کی گردش نیوکلیس کے گرد۔ کہا جاتا ہے کہ ہمارے وقت کے حساب سے ہر سیکنڈ میں پچاس ہزار مرتبہ الیکٹران نیوکلیس کے گرد گھومتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہوے کہ الیکٹران کا سال ہمارے زمینی سال سے بہت چھوٹا ہوتا ہے، اتنا چھوٹا کہ جس کا ہمیں ابھی تک سان گمان تک نہیں ہے۔ سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ اگر ہم اپنے زمینی سال کے پچاس ہزار حصے کریں تو ہر حصہ الیکٹران کے ایک سال کے برابر ہوگا۔ وہ ہمارے ایک سیکنڈ سے پچاس ہزار گنا چھوٹا ہے!

اس کا مادّے کے حادث ہونے سے کیا تعلق؟

بار بار عرض کیا جاچکا ہے کہ مادّہ تغیر اور حرکت سے جدا نہیں ہوسکتا۔ آئن اسٹائن نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے جیسا کہ پہلے لکھا گیا کہ "مادّہ بعینہ حرکت اور حرکت بعینہ مادّہ ہے" اسی حرکت کی مقدار زمانہ ہے۔ زمانہ حرکت سے علٰحدہ نہیں ہوسکتا، ورنہ وہ بلا مقدار رہ جائے گی۔

حرکت کا حادث ہونا ثابت کیا جاچکا ہے۔ جب حرکت حادث ہوئی تو اس کی مقدار جو اسی میں ہو کے پائی جاسکتی ہے ازلی کیسے ہوسکتی ہے؟ وہ بھی حرکت کی طرح حادث ہوگی۔

مادے کا جس طرح حرکت سے چھٹکارا نہیں ہوسکتا اسی طرح اس کی مقدار، زمانہ سے بھی چھٹکارا نہیں ہوسکتا۔ کھلی ہوئی بات ہے کہ حادث اور ازلی کا دائمی ساتھ ممکن نہیں ہے۔ جب کہ حرکت اور زمانہ کے لیے حدوث ثابت ہوگیا تو مادے کا حادث ہونا بھی ثابت ہوگیا۔

اس بات کا ثبوت کہ زمانہ خود عالم عدم میں رہ کر موجود ہوا ہے یہ بھی ہے کہ اگر ایسا نہ مانا جائے تو وہ ہمیشہ سے ہوگا۔ بار ہا عرض کیا جا چکا کہ جو چیز ازلی ہوگی وہ واجب الوجود ہوگی، یعنی اس کے واسطے ذہن کی چار دیواری سے باہر موجود ہونا ضروری ہوگا۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی شی ذاتی طور پر ازلی ہو، لیکن وہ واجب الوجود نہ ہو۔ ذاتی طور پر اس کا ازلی ہونا بتاتا ہے کہ اس کی خود ذات اس کے وجود کا سرچشمہ ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ زمانہ کسی ایک لحظہ اور سیکنڈ کا نام نہیں ہے۔ وہ بہت سے لحظوں کا مجموعہ ہے، لیکن اس کے یہ اجزا اکٹھا طور سے وجود میں نہیں آتے ہیں۔ ایک لحظہ جب آکے گزر لیتا ہے تب جا کے دوسرا لحظہ وجود کے میدان میں قدم رکھتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ زمانے کی ترکیب "فعلیت" اور "قوۃ" سے ہوئی ہے۔ کیا مطلب؟

مقصود یہ ہے کہ زمانہ ایسے لحظوں سے مل کر وجود میں آیا ہے جن میں سے کچھ وجود میں آرہے ہیں اور کچھ نے وجود کے میدان میں قدم نہیں رکھا ہے، وہ فی الحال معدوم ہیں، لیکن وجود میں آنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس کا کھلا ہوا نتیجہ یہ ہوا کہ زمانہ موجود اور معدوم لحظوں سے مل کر بنا ہے۔

اب آپ خود فیصلہ کیجیے کہ اس طرح کی چیز "واجب الوجود" ہو سکتی ہے، جہاں نرا وجود ہی وجود ہوتا ہے؟

معلوم ہوا کہ تغیر، حرکت، ترکب اور زمانہ مادّے کی یہ چار صفتیں، وہ چار زبردست توپیں ہیں، جو اس کی ازلیت کے خیال کو اڑا کر نیست و نابود کر دیتی ہیں۔ یہ نشانیاں اور یہ خصوصیات اعلان کر رہے ہیں کہ مادّہ ذاتی طور پر ازلی نہیں ہو سکتا، ممکن ہے کہ وہ زمانی طور پر ازلی ہو، لیکن اس سے فقیری اور محتاجی برطرف نہیں ہو سکتی، چونکہ وہ عدم سے وجود میں آیا ہے اس لیے کوئی ذات ہونا چاہیے کہ جو اسے وجود کی نعمت عطا کرے، جو اسے اپنے ارادے اور اختیار سے جب چاہے وجود میں لائے۔

لاوازیہ کی رائے کا تجزیہ

کیمسٹری کے مشہور ماہر لاوازیہ (LAWAZIEH) نے بڑے پر زور انداز سے فیصلہ کن تحقیق دنیا کے سامنے پیش کی ہے:

ان المادۃ لا تحدث من عدم کما انّھا لا تنعدم

"یقیناً مادہ عدم سے وجود میں نہیں آتا ہے جس طرح وہ معدوم بھی نہیں ہوتا ہے"

لاوازیہ کے اس دوٹوک فیصلے کے بعد خدا پرستوں کے اس عقیدے کا کیا وزن رہ جاتا ہے کہ مادہ زمانی طور پر نہ سہی، لیکن ذاتی طور پر حادث ہے، عدم سے وجود میں آیا ہے؟ ظاہر ہے کہ جب وہ حادث ہی نہیں ہے تو اُسے خدا کی کیا ضرورت ہے جو اُس کو پیدا کرے؟ وہ مخلوق ہی نہیں ہے، تا کہ یہ فکر دامن گیر ہو کہ کس نے اُسے خلق کیا ہے؟

لاوازیہ کی بات مان لینے کے بعد نہ کوئی چیز خالق رہی اور نہ کوئی مخلوق رہا۔ مادے کے حادث ہونے کی صورت میں خدا پرست مخلوق سے خالق پر اور اثر سے مؤثر پر استدلال کیا کرتے تھے لیکن جبکہ وہ قدیم قرار پا گیا تو اب نہ کوئی خالق ہے اور نہ کوئی مخلوق۔ ایسی شکل میں خدا کا وجود مشکوک ہے، نہیں، بلکہ ہمیں یقین ہے کہ وہ موجود نہیں ہے۔

خود سائنسداں مادے کے حادث ہونے کے حق میں۔

اسے حسن اتفاق کہیے یا سوء اتفاق کہ تمام تجرباتی علوم، سائنس کے اصول کے مطابق ہر قسم کی تحقیقی کاوشیں مادّے کے ازلی ہونے کو محال قرار دیتی ہیں، جہاں تک لاوازیہ کے قول کا تعلق ہے وہ غیر مشروط طور پر بغیر کسی دوسری چیز کو ملحوظ رکھتے ہوئے مادے کی ذات کی حقیقی اور واقعی صفت بیان نہیں کرنا چاہتے کہ وہ ازلیت ہے۔ اس کے علاوہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ انھوں نے وہی بات کہی ہے جس کے مادیین دعویدار ہیں تو ظاہر ہے کہ کسی کے کہہ دینے سے مرعوب نہ ہونا چاہیے، آدمی کو دلیل کا تابع دار ہونا چاہیے۔ اس کا فرض ہے کہ وہ اپنا راہنما دلیل کو قرار دے۔ وہ اُدھر جائے جدھر دلیل لے جائے۔

منکرین خدا لاوازیہ کے کہنے کے بموجب مادّے کے ذاتی طور پر حادث ہونے کے منکر ہیں۔ وہ اس کو محال سمجھتے ہیں۔ وہ تجرباتی علوم اور یقینی فیصلۂ عقلی کے سامنے سر جھکانے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ مادہ ازلی نہیں ہو سکتا۔

ان لوگوں کی یہ بات اس وقت جاندار بنے گی جب وہ دو کام کر ڈالیں، ایک یہ کسی یقین آور دلیل سے ثابت کریں کہ لاوازیہ ان لفظوں کے ذریعہ وہی بات کہنا چاہتے ہیں جو مادی مفکرین فرماتے ہیں۔ جس طرح یہ طبقہ وجود خدا کے ماننے والوں اور مادّے کی ذاتی ازلیت کے مخالفوں کے مقابلے میں کہتا ہے کہ نہ خدا موجود اور نہ مادہ حادث ہے اسی طرح لاوازیہ بھی خدا پرستوں

کی رد کرنا چاہتا ہے۔

مادیین کو دوسرا کام یہ کرنا پڑے گا کہ وہ سائنس یا فلسفہ کا سہارا لیتے ہوئے کسی یقینی دلیل سے یہ ثابت کریں کہ مادے کا حادث ہونا محال ہے یا یہ ثابت کریں کہ اس کا ازلی ہونا ممکن ہے۔ اپنے دعوے کے ثبوت میں صرف لاوازیہ کا قول پیش کر دینا انھیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔

پھر لاوازیہ کا مقصود کیا ہے؟

مندرجۂ ذیل باتوں پر انصاف کے ساتھ غور کیجیے:

اگر کوئی شخص کسی خاص فن کا ماہر ہو اور وہ کوئی بات کہے، جبکہ وہ سنجیدہ اور متین شخص بھی ہو تو اُسے اس کے فن سے متعلق قرار دیا جائے گا یا کسی ایسے فن سے جس میں وہ طفل مکتب کا درجہ بھی نہیں رکھتا ہے؟ فرض کیجیے کہ اگر کوئی قابل، سنجیدہ اور فہمیدہ ڈاکٹر یہ کہے کہ شراب پینا حرام ہے تو اس کا کیا مطلب سمجھا جائے گا؟ یہ کہ طبی نقطۂ نظر سے چونکہ اس میں مضرت اور نقصان رسانی کے پہلو ہیں، اس لیے اُسے استعمال نہ کرنا چاہیے یا یہ کہ وہ حکم شرعی بیان کر رہا ہے کہ میں اجتہادی طور پر شراب کی حرمت کا فتویٰ دے رہا ہوں۔ کھلی ہوئی بات ہے کہ ڈاکٹر اپنے مریضوں سے جو کچھ کہے گا اس کا ان کی تندرستی اور بیماری سے تعلق ہوگا، وہ مجتہد نہیں ہے جس کا کام فتویٰ دینا ہے۔

اب دیکھیے کہ لاوازیہ کس فن کے ماہر تھے؟ وہ فلسفی تھے یا ایک ممتاز کیمسٹ؟ اُن کا مخصوص فن کیمسٹری تھا۔ انھیں فلسفہ سے دور کا بھی تعلق نہیں تھا۔ کیمسٹری وہ علم ہے جس میں سب سے پہلے یہ بتایا جاتا ہے کہ مختلف قسم کے مادوں کے اندرونی خواص کیا ہیں؟ اُن کے اندرونی ماحول میں اُن کے کن کن اجزا کے درمیان کشتیاں ہو رہی ہیں؟ کون غالب ہے اور کون مغلوب؟ کون مؤثر ہے اور کون متاثر؟ اس کشمکش کی وجہ سے مادہ کی ظاہری شکل اور اس کے اندرونی ترکیبات میں کیا تبدیلیاں ہو رہی ہیں؟

اس کے مقابلے میں فلسفہ وہ ہے کہ جس میں انسان حتی المقدور یہ جاننے کی کوشش کرتا ہے کہ ذہن کے حدود سے باہر دنیا میں جو چیزیں موجود ہیں ان کے حقیقی اور واقعی حالات کیا ہیں؟

لاوازیہ نے جو بات کہی ہے اگرچہ اُس کی ظاہری شکل وصورت اور ساخت فلسفیانہ ہے، لیکن انھیں ایک کیمسٹ ہونے کی حیثیت سے اِس سے کیا سروکار کہ مادے کی واقعی

صفت ازلیت ہے یا حدوث؟ اس مسئلے کے طے ہو جانے سے انھیں اپنی فن کی کیا نئی بات معلوم ہو گی؟ اُن کے فنی معلومات میں کیا اضافہ ہو گا؟ اُن کو مادیین اور خداپرستوں کی جیت ہار سے کیا مطلب؟

حقیقت یہ ہے کہ لاوازیہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مادے میں برابر جو تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں، وہ نہ یہ کہتی ہیں کہ اُس کی ذات عدم کے بعد وجود میں آئی ہے اور نہ یہ فیصلہ کرتی ہیں کہ وہ موجود ہونے کے بعد معدوم ہو گئی ہے۔ مادی انقلابات کے نتیجہ میں مادّہ نئی نئی صورتیں اختیار کرتا ہے۔ جہاں تک اس کی ذات کا تعلق ہے وہ ان انقلابات میں جوں کی توں محفوظ رہتی ہے، وہ نہ معدوم ہوتی ہے اور نہ موجود، اُس کی شکلیں اور صورتیں ادلتی بدلتی رہتی ہیں۔

مثلاً جب مخصوص قسم کے ذرّوں کے ایک دوسرے کے ساتھ ملنے کی وجہ سے پانی کا مالکیول (MOLECULE) وجود کے میدان میں قدم رکھتا ہے تو ایسا نہیں ہوتا ہے کہ وہ دونوں ذرّے نیست و نابود ہو جائیں، پھر پانی کا مالکیول وجود میں آئے، کیونکہ مادہ نہ فنا ہوتا اور نہ پیدا ہوتا ہے۔ جو چیز فنا ہوتی اور عدم سے وجود میں آتی ہے، وہ مادے کی شکل و صورت ہے۔ ایسا کیمیائی اور کیمیکل انقلابات اور تبدیلیوں کے زیرِ اثر ہوتا ہے۔ دوسری لفظوں میں یوں عرض کیا جائے کہ مادی عناصر کی فطری خاصیتیں بدلتی رہتی ہیں، جن اجزار سے وہ مرکب ہوتے ہیں اُن میں بھی تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اُن کی خاصیتیں بھی کچھ کی کچھ ہو جائیں اور ظاہری صورتیں بھی، لیکن ان انقلابات میں ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ اُن کی ذات موجود سے معدوم ہو جائے یا عدم سے وجود میں آئے۔

اس کا شاہد کیا ہے؟

لاوازیہ سے پہلے کیمسٹری کے ماہرین گمان کرتے تھے کہ مختلف قسم کے مادوں کے اندرونی اجزار ایک دوسرے پر جو کیمیائی اثرات ڈالتے ہیں اُن کی وجہ سے بعض اجزار فنا ہو جاتے یا نئے اجزار وجود میں آجاتے ہیں، مثلاً کوئلہ جب جلتا ہے تو اس کے مادے کا ایک جز فنا ہو جاتا ہے، اسی طرح جب پارے سے اس کا ایک جز آکسیجن جدا کر لیا جاتا ہے تو ایک جدید مادہ وجود میں آجاتا ہے۔

لاوازیہ نے کیمسٹری کے اِن ماہرین کے خیال کے بالکل برعکس پہلی مرتبہ یہ ثابت کیا کہ کسی مادے کے اندرونی اجزار کے ایک دوسرے پر اثرات ڈالنے کا ہرگز یہ نتیجہ نہیں ہو سکتا

کہ اُس کا کوئی جزنیست ونابود ہوجائے یا کوئی نئی چیز وجود میں آجائے، چنانچہ لاوازیہ نے پارے کی آکسائڈ کا تجزیہ دو عنصروں کی صورت میں کیا، پارہ اور آکسیجن، جب ان دونوں کو وزن کیا گیا تو معلوم ہوا کہ ان کا مجموعی وزن وہی ہے جو تجزیہ سے قبل آکسائڈ کا تھا۔ اس سے پتہ چلا کہ مادے کے اندرونی اجزاء کے ایک دوسرے پر اثر ڈالنے کا ہرگز یہ نتیجہ نہیں ہے کہ کوئی مادہ عدم سے وجود میں آئے یا وہ معدوم ہوجائے۔

بالفرض ہم مانے لیتے ہیں کہ لاوازیہ بھی وہی کہنا چاہتے ہیں جو دوسرے مادہ پرست لوگ کہتے ہیں کہ مادّہ ہمیشہ سے ہے۔ وہ ذاتی طور پر حادث نہیں ہے تو اس کا نتیجہ صرف یہ ہوگا کہ اُن کے ہم خیالوں میں ایک کیمسٹری کے ماہر شخص کا اضافہ ہوجائے گا۔ ہم جس طرح دوسرے مادّہ پرستوں سے دلیل کا مطالبہ کر رہے ہیں، اسی طرح لاوازیہ سے بھی دلیل کا مطالبہ کریں گے۔ ہم اُن کے پیچھے آنکھوں پر پٹی باندھ کر نہیں چل سکتے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ چونکہ لاوازیہ نے ایک بات کہدی ہے اس لیے ہم اُس کی تصدیق کرتے ہوئے مادے کے حادث ہونے کو محال سمجھتے ہیں۔

مزید یہ کہ خود سائنس کا فیصلہ ہے کہ مادے کا ازلی ہونا محال ہے۔ وہ اُن لوگوں کی تائید نہیں کرتا ہے جو گمان کرتے ہیں کہ مادہ ازلی ہے، جبکہ وہ اپنے اس دعوے پر کوئی دلیل بھی نہیں پیش کرتے ہیں۔

جسارت معاف، لاوازیہ کا کوئی دعوی ٹھیک نہیں ہے۔ انھوں نے دو دعوے کیے ہیں۔ ایک یہ کہ کوئی چیز عدم سے وجود میں نہیں آتی ہے۔ دوسرے یہ کہ کوئی شے معدوم نہیں ہوتی ہے۔ خوش قسمتی سے ریڈیو ایکٹیو اجسام سے متعلق جو تجربات کیے گئے ہیں اُن سے پتہ چلتا ہے کہ لاوازیہ کے یہ دونوں دعوے غلط ہیں۔ البتہ یہ آزمائشیں یورینیم اور ریڈیم کے ایٹموں کے سلسلے میں ہوئی ہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ یورنیم برابر بغیر کسی وقفہ کے انرجی باہر پھینکتا ہے۔ یہ بھی پتہ چلا ہے کہ ریڈیم سے ایک خاص گیس برابر نکلتی رہتی ہے جس کا نام ریڈون (RADON) قرار دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ انرجی اور وہ مخصوص گیس ہمیشہ سے بیرونی دنیا میں موجود نہیں ہے۔ وہ عدم سے وجود میں آتی رہتی ہے۔ اس تحقیق کے بعد لاوازیہ کا پہلا دعویٰ کہاں گیا کہ کوئی شی عدم سے وجود میں نہیں آتی ہے۔

یہ بھی انکشاف ہوا ہے کہ اس گیس کی عمر چار دن سے زیادہ نہیں ہے، چار روز کے بعد وہ فنا ہوجاتی ہے۔ کیا اس تحقیق کے بعد لاوازیہ کی یہ بات اپنی جگہ ثابت اور مسلّم رہے گی کہ کوئی

چیز وجود میں آکر فنا نہیں ہوتی ہے؟
آخر یہ بھی تو جدید علوم کے ماہر ہیں۔
جس طرح لاوازیہ کیمسٹری کے ماہر ہیں اسی طرح جدید علوم کے دوسرے ماہرین بھی ہیں۔ اگر لاوازیہ مادے کو حادث نہیں مانتے ہیں تو ان کے برخلاف علوم جدیدہ کے دوسرے ماہرین نے صاف اور صریحی طور پر مادّے اور دنیائے وجود کے حادث ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ ذیل میں ان میں سے چند کے نام اور ان کے اقوال کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ جون کلینڈ کوتھران (JOHNCLELAND COTHRAN) کا قول ملاحظہ ہو:۔

"کیمسٹری ہمیں بتاتی ہے کہ بعض مادّے فنا اور زوال کے راستے پر جا رہے ہیں، لیکن ان کے درمیان فرق یہ ہے کہ اس راہ میں ان میں سے کچھ کی رفتار تیز ہے اور کچھ کی رفتار سست ہے۔ اس بنا پر مادہ ابدی نہیں ہے۔ اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ وہ ازلی نہیں ہے، کیونکہ اس کی ابتداء ہے۔

اس بنیاد پر یقیناً کہا جا سکتا ہے کہ یہ مادی عالم مخلوق ہے جب سے وہ پیدا کیا گیا ہے محدود اور معین اصول و قوانین کا تابع ہے۔ اس احتمال کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ یہ عالم اتفاقاً وجود میں آگیا ہے۔"

ایڈورڈ لوتھر کیسل (EDWARD LUTHER KESSE-L) کا اظہارِ خیال ہے:۔

"بعض لوگوں کی رائے ہے کہ ازلی خدا کا وجود ماننے سے یہ زیادہ سخت نہیں ہے کہ اس عالم وجود کو ازلی مان لیا جائے، لیکن تھرموڈائینمکس (THERMO DYNAMICS) کا دوسرا اصول جس کا نام این ٹراپی (ENTROPY) ہے اس رائے کو غلط قرار دیتا ہے۔

تمام علوم بڑے واضح طور پر یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ عالم وجود ازلی نہیں ہو سکتا، کیونکہ حرارت گرم جسموں سے ٹھنڈے جسموں کی طرف برابر منتقل ہو رہی ہے، مگر ایسا ذاتی طور پر نہیں ہو سکتا کہ حرارت ٹھنڈے جسموں سے گرم جسموں کی طرف منتقل ہو۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ تمام موجودات کا رخ ایک ایسے درجہ کی طرف ہے جس میں تمام جسموں کی گرمی برابر ہو جائے گی اور طاقت کا چشمہ سوکھ جائے گا۔ اس نقطہ پر پہنچ کر تمام کیمیکل اور نیچرل کارگزاریاں ختم ہو جائیں گی زندگی

کا کوئی نام و نشان باقی نہیں رہ جائے گا، مگر یہ بات ہمارے سامنے ہے کہ زندگی کا سلسلہ اب بھی باقی ہے کیمیکل اور نیچرل کارگزاری عالم مادہ میں اب بھی جاری و ساری ہے۔ ایسی صورت میں یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عالم مادی ازلی نہیں ہو سکتا، ورنہ بہت پہلے اس کی طاقت ختم ہو جاتی اور وجود کی چہل پہل ہمہ گیر سناٹے اور ویرانی سے تبدیل ہو جاتی۔

اس طرح یہ علوم غیر ارادی طور پر اس حقیقت تک خود بخود پہنچتے ہیں کہ اس عالم وجود کی ایک ابتدا رہے۔ انہی کے ذریعہ خدا کا وجود ثابت ہوتا ہے، کیونکہ جس چیز کی ابتدا ہو وہ خود اپنے کو نہیں پیدا کر سکتی، اس کے لیے کسی خالق اور محرک کا ہونا ضروری ہے، اسی کا نام اللہ ہے۔"

اروِن ولیم نوب لوچ (IRVING WILLIAM NOBLOCH) کا قول بھی ملاحظہ فرمائیے:

"علم فلکیات اس بات کی طرح اشارہ کر رہا ہے کہ اس عالم کی ایک بہت پرانی ابتدا ہے۔ یقیناً وہ اپنی منزل کی طرف جو حتمی اور قطعی ہے اپنے بیروں سے بڑھ رہا ہے۔ یہ عقیدہ علم اور سائنس کے مطابق نہیں ہے کہ عالم وجود ازلی ہے، اس کی کوئی ابتدا نہیں ہے۔ عالم وجود کی یہ عمارت تغیر و تبدل کی بنیاد پر قائم ہے۔ یہ وہ نقطہ ہے جہاں علم اور مذہب ایک دوسرے کے ہمنوا ہو جاتے ہیں" (نقل اقوال از کتاب "حوارین الالٰھیین والمادیین)

یہ ہیں سائنس اور سائنس دانوں کی چند گواہیاں جن کا تعلق مادے کی ازلیت کے محال ہونے سے ہے۔ یہ گواہیاں مادیین کے نقطۂ نظر کے خلاف ہیں جو بغیر کسی دلیل کے اس بات کے دعویدار ہیں کہ مادے کا حادث ہونا محال اور غیر ممکن ہے۔ نہ جانے ان محترم مفکرین کے علمی فیصلوں کا معیار کیا ہے؟

مادّہ نہ سہی، طاقت سہی

منکرینِ خدا کا کہنا ہے کہ اچھا ہم نے مان لیا کہ مادّہ ازلی نہیں ہے، وہ زمانی طور پر قدیم سہی، لیکن ذاتی طور پر حادث ہے، عدم سے وجود میں آیا ہے، ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اس کی ذات وجود سے متصف بننے میں کسی دوسری ذات کی محتاج ہے، لیکن اس ذات کے خالق ہونے کی

یہ شرط نہیں ہے کہ وہ غیر مادی ہو، بلکہ مادہ اور غیر مادہ میں سو فیصد علیحدگی ہے، اس لیے یہ محال ہے کہ مادے کی خالق ایسی چیز ہو جو بالکل غیر مادی ہو، لہذا کیوں نہ مادے کا خالق طاقت کو قرار دیا جائے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاں تک عقلی فیصلہ کا تعلق ہے وہ جس طرح اسے محال سمجھتی ہے کہ مادہ خود اپنا خالق ہو اسی طرح اسے بھی محال جانتی ہے کہ کوئی غیر مادی چیز مادے کی خالق قرار پائے۔

ہمیں مادے اور غیر مادے کے درمیان جو چیز نظر آتی ہے وہ طاقت ہے، جبکہ ہمارے لیے یہ عقیدہ ضروری ہے کہ اس عالم وجود میں کوئی نہ کوئی ازلی چیز موجود ہے تو یہ کیوں سمجھا جائے کہ وہ مجرّد اور غیر مادی ہے، کیوں کہ اس طرح کی چیز کے موجود ہونے کا ہم اب تک فیصلہ نہیں کر سکے ہیں۔ صرف اتنا ہی نہیں، ہم اس کو محال سمجھتے ہیں۔

طاقت کی نوعیت

طاقت جو چیز بھی ہو، اس کا تعلق مادے کی جنس سے ہوگا یا غیر مادی چیزوں سے، کیونکہ عقلی طور پر موجود کی بس دو قسمیں ہو سکتی ہیں، مادہ اور غیر مادہ۔ یا اگر طاقت کو معدوم قرار دے دیا جائے تو پھر وہ ان دو دائروں میں سے کسی دائرے میں داخل نہیں ہوگی، مادّہ ہوگی اور نہ غیر مادّہ۔ کیونکہ یہ دونوں موجود کی قسمیں ہیں۔

ممکن ہے کہ مادہ پرست طبقہ کہہ دے کہ طاقت مادے کی جنس سے ہے۔ ایسی صورت میں ان سے کہا جائے گا کہ عقل اسے محال سمجھتی ہے کہ ایک مادہ دوسرے مادہ کا خالق ہو، ہاں مادے کے بطن سے دوسرے مادے کی ولادت ہو سکتی ہے، لیکن کسی چیز کا والد ہونا اس کے خالق اور مکمل علّت ہونے سے بالکل مختلف ہے۔

ہو سکتا ہے کہ کوئی تیسرا راستہ نہ پا کر مادی مفکرین یہ کہہ دیں کہ طاقت مادے کی جنس سے نہیں ہے، وہ غیر مادّی ہے۔ اس شکل میں پہلے ان سے یہی کہا جائے گا کہ آپ نے بالآخر مادے کے علاوہ ایک ازلی چیز کا اقرار فرما لیا۔ اپنی جگہ مضبوط دلیلوں سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ یہ شئی سو فیصدی مادے سے مختلف ہے، ذات کے لحاظ سے بھی اور اپنے صفات کے لحاظ سے بھی ان کے درمیان کسی قسم کی مشابہت نہیں ہے۔

طاقت مادے کے علاوہ کوئی چیز نہیں ہے

حقیقت یہ ہے کہ مادی طاقت مادے کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ وہ ہو بہو یہی ہے، وہ

اُسی سے پیدا ہوتی اور اسی کو پیدا کرتی ہے۔ ان دونوں کے درمیان فرق صرف یہ ہے کہ وہی مادہ جب پراگندہ اور آزاد ہوتا ہے تو اس کا نام بدل جاتا ہے، اُسے طاقت سے یاد کیا جانے لگتا ہے۔ وہی جب اکٹھا ہوتا تو اسے مادّہ کہا جانے لگتا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ دونوں ایک چیز ہیں۔ ان کے درمیان کوئی غیریت اور کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے۔

مادے اور طاقت کے درمیان اس حقیقی اور واقعی تعلق کا انکشاف سب سے پہلے مشہور سائنس داں آئن اسٹائن نے کیا اور آج سائنس میں یہ دم خم پیدا ہوگیا ہے کہ وہ طاقت کو مادے کی صورت میں تبدیل کر سکتا ہے، چنانچہ اولن کیرل کارل لٹس (OLIN CARROLL KA-LITS) نے ان الفاظ میں اس حقیقت کی تصریح کی ہے:

"مادہ بس طاقت ہی کی ایک نمود ہے، جس طرح اس کے برعکس طاقت بھی مادّے کی ایک نمود ہے"

کیمسٹری کے ماہر جون کلیلینڈ کوتھران کہتے ہیں:

"کیمسٹری ایک ایسا علم ہے جس کا کام فقط اس چیز کا پتہ چلانا ہے کہ مادے میں کون کون سی تبدیلیاں ہوا کرتی ہیں؟ وہ کن اجزاء سے مرکب ہے؟ مادّہ تبدیل ہو کر طاقت بن جاتا ہے طاقت بھیس بدل کر مادہ بن جاتی ہے۔ اسی لحاظ سے کیمسٹری کا شمار مادی علوم میں ہے، اُس کا روحانی دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔" (ماخوذ از کتاب "حواریین الالٰھیین والمادیین")

جدید سائنس نے یہ کوشش شروع کر دی ہے کہ مادّہ کو خالص طاقت کی شکل میں تبدیل کر دے۔ یہ کوشش آئن اسٹائن کے نظریۂ نسبیت کی روشنی میں ہو رہی ہے، اس نظریہ کی رو سے جسم کی حالت ثابت اور برقرار نہیں ہے۔ حرکت کے تیز ہونے سے اس کی مقدار میں زیادتی ہو جاتی ہے۔ ایسا ان تجربات نے بتایا ہے جو ایٹم کے ماہرین نے الیکٹران پر کیے ہیں جس کا کام یہ ہے کہ وہ انتہائی تیزی سے، نہایت طاقتور بجلی کی جولان گاہ میں گردش کرتے رہتے ہیں۔

جبکہ یہ ثابت ہوگیا کہ حرکت کے بڑھنے سے جسم کی مقدار بڑھتی ہے اور یہ بھی مان لیا گیا کہ حرکت طاقت ہی کی ایک نمود ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہے کہ حرکت کی تیزی کی وجہ سے جسم کی مقدار میں جو زیادتی ہوتی ہے وہ درحقیقت اس کی طاقت ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اس عالمِ وجود میں دو چیزیں نہیں ہیں جو ایک دوسرے سے علٰحدہ علٰحدہ

ہوں، ایک مادہ کہ جو چھوا جاسکتا ہے اور مقدار کی صورت میں ہمیں اپنے جلوے دکھاتا ہے، دوسرے طاقت جو دیکھی نہیں جاسکتی اور وہ کہیں بھی اکٹھا نہیں ہے جیسا کہ گزشتہ سائنس داں گمان کرتے تھے۔
موجودہ سائنس کا تو یہ کہنا ہے کہ جسم کی یہ اکٹھا مقدار حقیقت میں طاقت ہی ہے جو سمٹی ہوئی ہے۔ ایٹم کے دل میں جو پروٹون اور الیکٹران رہتے ہیں وہ درحقیقت ایک نقطہ میں سمٹی ہوئی اکٹھا طاقت ہے جن کی تحلیل ہوسکتی اور انھیں ان کی پہلی حالت کی طرف پلٹایا جاسکتا ہے۔
تجزیہ اور تحلیل کے جو جدید ترین طریقے نکلے ہیں، ان کی روشنی میں سائنس کا فیصلہ ہے کہ اس عالم کی بنیاد طاقت کے اوپر قائم ہوتی ہے۔ اسی کا ظہور مختلف صورتوں اور طرح طرح کی شکلوں میں ہوتا ہے۔ آواز، مقناطیسی کشش اور بجلی، یہ سب چیزیں اسی طاقت کی مظہر ہیں۔ ان تحقیقات کے بعد یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے کہ کبھی بجلی مادے کے بھیس میں نمودار ہوتی ہے یا مادہ بجلی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ اب یہ تمام باتیں کسی حد تک سمجھ میں آنے لگی ہیں، کیونکہ یہ سب کی سب ایک حقیقت کی گوناگوں شکلیں اور صورتیں ہیں جس کا نام طاقت ہے۔ اس نظریے کے صحیح ہونے کا پتہ اس سے چل جاتا ہے کہ علمی تجربات اس کے مطابق ہیں۔ سائنس داں ایسا کرسکتے ہیں کہ مادے کو طاقت اور طاقت کو مادہ کی صورت میں تبدیل کردیں۔
اس بنا پر لفظ مادّہ کا استعمال مندرجۂ ذیل دو معنی میں صحیح قرار پاتا ہے:۔
۱۔ ایک دفعہ لفظ مادہ بول کر ایک ایسے معنی مراد لیتے ہیں جو مادے اور طاقت دونوں کے درمیان مشترک ہے جس میں مادی خاصیت کا لحاظ کیا گیا ہے جو دونوں میں پائی جاتی ہے۔
۲۔ لفظ مادہ کا استعمال ایسی چیز میں بھی کیا جاتا ہے جو طاقت کے مقابل ہے جس کو ہر شخص چھو سکتا ہے، محسوس کرسکتا ہے۔ عوام الناس لفظ مادّہ سے یہی معنی سمجھتے ہیں۔
معلوم ہوا کہ یہ بات ممکن نہیں ہے جو مادّی مفکرین کا طبقہ چاہتا ہے کہ مادے کو مخلوق اور طاقت کو اس کا خالق قرار دے دے، کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنے ہم نشین کے پہلو سے پیدا ہوجاتا ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر کہا جاسکتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک بعینہ، ہو بہو اپنا ہم نشین ہے۔ اُن کے درمیان بس فرق سمٹے اور پھیلے ہوئے ہونے کا ہے۔ یہ محال ہے کہ ایک ہی شی اپنی ایک حالت میں ازلی اور دوسری حالت میں حادث ہو، ایک میں خالق اور دوسری میں مخلوق ہو۔ طاقت کی ازلیت اور خالقیت اور مادے کی مخلوقیت اور حدوث کی خرافات کا بھی یہی حال ہے۔

این ٹراپی اور حدوث عالم

کائنات عالم کا مشاہدہ بتلا رہا ہے کہ وہ انحطاط و تنزل کی طرف مائل ہے۔ دنیا کی ہر مادی چیز کی تشکیل ایٹموں سے ہوئی ہے۔ بلا استثنا تمام ایٹموں کا برابر تجزیہ ہو رہا ہے۔ وہ چھوٹے سے چھوٹے اجزا میں بٹتے چلے جا رہے ہیں۔

بعض لوگوں کا یہ خیال غلط ہے کہ ریڈیو ایکٹیو اجسام کے ذرات میں تجزیہ کی صلاحیت نہیں ہے۔ وہ اس عمومی وبا سے محفوظ ہیں حقیقت یہ ہے کہ تمام جسموں کے ایٹم تجزیے اور تحلیل کا شکار ہیں۔ یہ فرق ضرور ہے کہ ریڈیو ایکٹیو اجسام کے ذرات کے تجزیے کی رفتار سست اور دوسرے جسموں کے ذرّوں کے تجزیے کی رفتار تیز ہے۔

تمام جسموں کی یہ حالت بتا رہی ہے کہ ان کی عمر محدود ہے، کیونکہ ان کی عمر کے اگر بے شمار سال گزر چکے ہوتے تو انھیں بہت پہلے فنا ہو جانا چاہیے تھا۔ ظاہر ہے کہ دنیا کے تمام جسموں کے ذرات کے تجزیے کی رفتار کتنی ہی سست اور اس کی مدت کتنی ہی طویل بھی بہرحال اُسے بے شمار برسوں کی ضرورت نہیں ہے۔

تفرقے اٹھ رہے ہیں

یہ بھی مانا جا چکا ہے کہ اس عالم کی تمام طاقتیں ایک دوسرے کے برابر اور یکساں ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ ان کے درمیان سے تفرقے اٹھتے چلے جا رہے ہیں۔ لوہے کا ٹکڑا اگر بھٹی میں پہنچ جائے تو گرم ہو کر تپنے لگے گا، لال ہو جائے گا۔ اُس کو کھلی فضا میں بھٹی سے نکال کر رکھ دیجیے اس کی گرمی فضا میں پھیلتی رہے گی۔ رفتہ رفتہ ایک ایسا وقت آئے گا کہ اُس لوہے کے ٹکڑے کا درجۂ حرارت اُس کے گرد و پیش کی فضا اور دوسرے جسموں کے درجۂ حرارت کے برابر ہو جائے گا۔ تمام عالم کی انرجیوں کی یہی حالت ہونے والی ہے۔

بے شک لوہے کے تپتے ہوئے ٹکڑے کی گرمی جب تک اِس حد پر نہیں پہنچی ہے وہ حرارت پھیلاتا رہے گا۔ اِس سے اُس کے اطراف و جوانب میں گرمی پھوٹتی رہے گی۔ لیکن اِدھر اس کا درجۂ حرارت اپنے گرد و پیش کے اجسام اور فضا کے درجۂ حرارت کے برابر ہوا اُدھر وہ فوراً بجھ جائے گا۔ اب الٹرا رے (ALTRA RAY) کی تابانی ختم ہو جائے گی۔

جب لوہے کا ٹکڑا تپ رہا تھا تو اُس میں سرخی تھی، اُس کے اردگرد کی ہوا میں ایک تموج محسوس کیا جاسکتا تھا، ہوا تپتے ہوئے لوہے کے ٹکڑے کی وجہ سے گرم ہو ہو کر اوپر کی طرف حرکت کر رہی ہے اور دوسری ٹھنڈی ہوا اُس کی جگہ پُر کر رہی ہے۔ اس طرح لوہے کے اس تپتے ہوئے ٹکڑے کے اردگرد ایک لطیف نسیم سی چلتی محسوس ہوتی تھی، مگر جوں ہی لوہے کی گرمی کم ہوئی، جب اُس کا درجۂ حرارت اپنے گردوپیش کی چیزوں کے درجۂ حرارت کے مساوی ہوا تو فوراً نسیم کا چلنا موقوف ہو گیا۔

غور فرمایئے! نہروں میں پانی کیوں بہتا ہے، گرتے ہوئے آبشاروں میں جوش و خروش کس لیے ہوتا ہے، دریاؤں کی موجیں کیوں بل کھاتی ہیں، ساحل سے وہ اپنا سر کیوں ٹکراتی ہیں، گرداب کس لیے بنتے اور بگڑتے ہیں، پانی کی گود میں حبابوں کے ابھرنے اور کچھ دیر اپنی زندگی کی بہار دکھا کر مٹ جانے کا سبب کیا ہے؟

یہ ساری چیزیں پانی کی سطح کے مختلف ہونے کا نتیجہ ہیں۔ اگر پورے کرۂ زمین پر پھیلے ہوئے پانیوں کی سطح مساوی ہو جائے، اگر وہ یکساں طور پر پوری زمین پر پھیل جائیں تو پھر نہ آبشاروں کا جوش و خروش رہے گا، نہ ندیوں کے بہنے کے زمزموں سے کان آشنا ہوں گے، نہ دریاؤں کی موجیں ساحلوں سے سر ٹکرائیں گی۔ ایک موت کی سی خاموشی سارے کرۂ زمین کے پانیوں پر چھا جائے گی۔

اس عالم میں پھیلی ہوئی انرجیوں کا بھی یہی عالم ہے۔ ان میں یکسانیت پیدا ہو رہی ہے، وہ برابری کی منزل کی طرف بڑھ رہی ہیں۔ ان کے درمیانی تفرقے مٹ رہے ہیں۔ جب وہ تمام عالم میں یکساں طور پر تقسیم ہو جائیں گی تو پھر کائنات میں ہر طرف خاموشی چھا جائے گی۔

مادیین کے خیال کے مطابق اگر یہ عالم ہمیشہ سے ہوتا تو اب تک اُس کی ایسی ہی حالت ہو چکی ہوتی، سورج کا چراغ بجھ جاتا، ستاروں کی آنکھیں خیرہ ہو جاتیں، کرۂ زمین کا خاتمہ ہو جاتا، سمندروں میں پانی خشک ہو کر خاک اڑنے لگتی، کہکشاؤں کے بندھن ٹوٹ جاتے، آسمانی کرات آپس میں ٹکرا ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتے۔ یہی تھرموڈائنمک، یعنی کائنات کے علمِ حرارت و حرکت کے دوسرے اصول کا تقاضا ہے۔

یہ اصول بتا رہا ہے کہ یقیناً اس عالم کی تمام چیزوں کا ایک آغاز ہے، ہو سکتا ہے کہ زمانے کی دوری کی وجہ سے ہم آغازِ کائنات کی تاریخ نہ بتا سکیں، ہم یہ نہ کہہ سکیں کہ اُس کی عمر کا کتنا حصہ

گزر چکا ہے؟ لیکن یقینی اور حتمی بات ہے کہ وہ ہمیشہ سے نہیں ہے۔

آغاز ہی نہیں، انجام بھی ہے

عرض کیا گیا کہ بلا استثناء تمام جسموں کے ایٹم رفتہ رفتہ بٹتے چلے جا رہے ہیں، کائنات میں پھیلی ہوئی تمام انرجیاں یکساں اور برابر ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ ایٹموں کے بٹ جانے کا نتیجہ ہے ان کا ازجی کی شکل اختیار کر لینا اور انرجیوں کے یکساں ہونے کا ثمرہ ہے۔ ہر طرف خاموشی، سکون اور سناٹے کا چھا جانا۔

یہ عالم، آدمی کے مثل ہے، آدمی کی کیا حالت ہے؟ اس کے بچپنے کے بعد جوانی اور جوانی کے بعد بڑھاپے کا دور ہے۔ بڑھاپے میں آدمی کی تمام طاقتیں جواب دے دیتی ہیں، نہ ہاتھ پیروں میں جان رہتی ہے، نہ آنکھوں میں قوتِ بصارت، نہ کانوں میں طاقتِ سماعت، نہ دل میں توانائی، نہ چہرے پر رعنائی۔ آخر میں آدمی کی شمع زندگی ٹمٹماتے ٹمٹماتے بجھ جاتی ہے۔ اِس عالم کائنات کا انجام بھی ایسا ہی ہے۔ اُس کے ہاتھ سے بھی ایک دن تمام طاقتیں چھن جائیں گی۔ اس کا چراغ بے فروغ اور خاموش ہو جائے گا۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

اس مقام پر مادہ پرست مفکرین کہہ سکتے ہیں کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ یہ عالم سیکڑوں یا ہزاروں یا لاکھوں مرتبہ زندہ ہوا اور اس کے بعد مر گیا ہو۔ یہ ممکن ہے کہ عالم کی ابتدا رکسی خاص نقطے سے ہوئی ہو، اپنی زندگی کا ایک طولانی دور گزارنے کے بعد تمام جسموں کے ایٹم تجزیے اور تحلیل کی وجہ سے انرجی بن گئے ہوں اور انرجیاں یکساں اور یک رنگ ہو کر فنا ہو گئی ہوں۔ اس کے نتیجہ میں یہ عالم نیست و نابود ہو گیا ہو، لیکن اس خاموشی اور سناٹے کی حالت میں عالم کائنات کے دل کے اندر ایک عظیم اور غیر معمولی دھماکہ ہوا ہو، جس نے مردہ انرجیوں میں جان ڈال دی ہو۔ انھوں نے اکٹھا ہو ہو کر جدید مادوں کی تشکیل کی ہو۔ مادوں نے اپنے گرد تیزی سے گھومنا شروع کر دیا ہو، کہکشاں، سحابیاں، مختلف قسم کے ستارے، کرۂ زمین اور ایسے ہی دوسرے کرّے وجود میں آ گئے ہوں۔

خلاصہ یہ کہ عالم کائنات کے ہر دور میں ایک آغاز ہے اور ایک اس کا انجام ہے، لیکن

جب عالم کو اس کے کام دوروں کے لحاظ سے دیکھا جائے تو وہ ازلیت اور ابدیت کے رنگ میں رنگا ہوا نظر آتا ہے۔ اس کے متعلق یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

تعجب ہے کہ مادی مفکرین کا طبقہ ایک واضح اور روشن حقیقت سے کیوں کر غافل ہے؟ ظاہر ہے کہ عالم کے آغاز کے موقع پر اس کا کسی صفت کی طرف جھکاؤ نہیں تھا۔ ہر شی کے لیے ہر صفت یکساں حیثیت رکھتی تھی، کسی شکل اور کسی صورت کی طرف وہ مائل نہ تھی۔ عالم کے خاتمہ کے بعد بھی تمام چیزوں کی یہی حالت ہو جائے گی۔ ایسی صورت میں اس نیچر کی چار دیواری سے باہر کسی عظیم الشان طاقت کی مداخلت ضروری ہے۔ وہ بیرونی طاقت اس بجھے ہوئے خرمن کے اندر حرکت اور زندگی کی چنگاری ڈالے، وہ اس خاموشی کو چہل پہل سے بدلے۔

جس کا دامن کسی چیز سے خالی ہو وہ ہرگز دوسرے کے دامن کو نہیں بھر سکتا، تاریک چیز کسی کو نورانی نہیں بنا سکتی۔ فقیر اور تنگ دست کسی کی جھولی نہیں بھر سکتا۔ جاہل کسی کو علم نہیں دے سکتا۔ جب ماحول بالکل خاموش تھا، ساکن تھا، ہر طرح کی انرجی سے محروم تھا تو وہ اس چہل پہل، جنبش، حرکت اور حرارت کا سرچشمہ کیسے بن گیا؟

ماننا پڑے گا کہ اس عالم کو اپنی پیدائش کے لیے ایک ایسی طاقت کی ضرورت ہے جو اس کے حدود سے باہر ہو۔ یونہی جب اس کا چراغ زندگی خاموش ہو جائے تو دوبارہ اُسے ایسی ہی طاقت روشن کر سکتی ہے جو غیر مادی اور نیچر کی حدوں سے خارج ہو۔

معلوم ہوا کہ اس عالم مادی کا ایک آغاز ہے۔ اس کی ایک نامعلوم سہی تاریخ پیدائش ہے۔ اس کے لیے ایک انجام بھی ہے۔ اس کی بھی ایک خاص تاریخ ہے۔ یہ ممکن ہے کہ اس آغاز و انجام کی ہزاروں مرتبہ تکرار ہوئی ہو۔ یہ عالم مادی اپنی ابتدا میں وجود کی نعمت سے بہرہ مند ہونے کے لیے ایک ایسی ہستی کی فیض رسانی کا محتاج ہے جس کا نیچر (دنیا) سے تعلق نہ ہو۔

(ختم شد)

اسلامی معاشرت پر مولانا سید جلال الدین عمری کی کتاب

مسلمان خواتین کی ذمہ داریاں

صفحات ۶۰۔ قیمت ۳ روپئے

ملنے کا پتہ: مکتبہ تحقیق و تصنیف اسلامی پان والی کوٹھی۔ دودھ پور۔ علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲